© rasailojaraid.com

اداریہ

نائب مدیر

پیغامِ سیرت

جذباتی لمحات اور اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

انسانی زندگی میں بہت سے مراحل ایسے آتے ہیں، جب انسان کے مزاج اور اس کی شخصیت کا امتحان ہوتا ہے۔ عام حالات میں انسان اپنا رکھ رکھاؤ کسی نہ کسی طور پر برقرار رکھ سکتا ہے، لیکن مخصوص واقعات کے زیرِ اثر اس کی شخصیت کے پرت کھلنا شروع ہوجاتے ہیں۔ ایسے میں انسان کے لیے اپنا وقار برقرار رکھنا مشکل ہوجاتا ہے۔ یہی مرحلہ آزمائش ہوتا ہے۔

انسان زبانی طور پر صبر، تحمل، اعتدال، میانہ روی، ضبط وغیرہ کی تلقین کرسکتا ہے، اور عام طور پر کرتا بھی رہتا ہے۔ لیکن انسان کے لیے اصل میدانِ آزمائش گفتار نہیں کردار ہے۔ اسی لیے اسلام کو گفتار نہیں کردار کے غازی درکار ہیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے، جب انسان کا ہر لمحہ ناپا تلا ہو، اور اس کے سامنے ہمہ وقت اپنے رب کی ہدایات ہوں۔ یہ ہدایات بھی اس وقت تک انسان کے لیے پوری طرح قابلِ عمل نہیں ہوسکتیں، جب تک کہ ان ہدایات کی روشنی میں کوئی عملی اسوہ ہمارے سامنے موجود نہ ہو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے عملی نمونہ عمل بنا کر معبوث فرمایا تو اس کا مفہوم یہی تھا کہ قیامِ قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی کو، حیاتِ انسانی کے کسی پہلو کے حوالے سے بھی تشنگی کا احساس نہ ہو، اور وہ اگر اس سچے اور خالص اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا و آخرت کو کامیاب و کام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ران کرنا چاہے تو اس راستے میں اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہ ہو، نہ علمی نہ عملی۔ اسوۂ حسنہ کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو اس کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔ اسوۂ حسنہ حیات انسانی کے تمام پہلوؤں کا نہایت جامعیت کے ساتھ احاطہ کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ غم، تکلیف، دکھ، درد اور رنج والم کے تمام ممکنہ انسانی رنگ بھی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے، اسی طرح خوشی، مسرت، کام یابی، فتح اور اچانک ملنے والی سرخوشی کے مراحل بھی جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نظر آتے ہیں۔ یہ تمام جذباتی کیفیتیں ہیں، اور ان تمام کیفیات سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے آراستہ فرمایا گیا، تاکہ امت کے لیے ان تمام مراحل کو طے کرنا اور آزمائش کی ان تمام منزلوں کو عبور کرنا آسان و سہل ہو جائے۔ ہمارے لیے کتنا مشکل ہے کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچنے والی تکالیف، اور غم و آلام کا تذکرہ کریں، اور اس سے بھی کہیں زیادہ یہ امر کس قدر تکلیف کا باعث ہے کہ ان مصائب کا تصور کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کس طور گزرے ہوں گے؟ لیکن تصور کیجیے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو امت کے لیے ایک جامع اور مکمل قابل عمل اسوۂ حسنہ کس چیز کو قرار دیا جاتا؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون سی ایسی ذات ممکن ہوتی جو حسن اعتدال اور توازن کے ساتھ ایسے مراحل حیات کو برت کر اور اپنی زندگی کا حصہ بنا کر دکھاتی اور پھر امت کے لیے اس پر عمل پیرا ہونا بھی ممکن ہوتا؟ انسانی تجربہ کم از کم ایسی کسی دوسری شخصیت کے تصور سے ہی قاصر ہے۔ اس لیے یہ بھی اسوۂ حسنہ کا اعجاز ہے کہ حیاتِ انسانی کا یہ پہلو بھی تشنہ نہیں ہے۔

جذبات کا معاملہ اس حوالے سے بھی اہم ہے کہ یہاں محض اعتدال اور توازن ہی اہم نہیں، بل کہ اظہار جذبات کا سلیقہ بھی اہم ہے۔ نہ تو ہر غم اس طرح سہنے کے لیے ہوتا ہے کہ کسی کو اس کے غم اور دکھ کا احساس ہی نہ ہو سکے، نہ ہر تکلیف کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان اس کے اظہار کو ہی مقصد قرار دے ڈالے، اور اس کی زندگی اظہار غم کے لیے ہی وقف نظر آئے۔ یہی معاملہ مسرت اور خوشی کا ہے، انسان خوشی کے موقع پر جہاں خود سرخوشی اور مسرت محسوس کرتا ہے، وہیں اپنے جذبات میں دوسروں کو بھی شریک کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح انسان کا مزاج یہ ہے کہ وہ محض اپنی خوشی سے ہی حظ نہیں اٹھاتا، بل کہ دوسروں کی مسرت میں شریک ہو کر بھی خوشی اور مسرت کے جذبات سے لطف اندوز ہوتا ہے، یہی اس کے مدنی الطبع ہونے کا عملی تقاضا بھی ہے۔ یہ تمام آداب اور اعتدال بل کہ حسن اعتدال کے جواہر ہمیں مطالعہ سیرت سے ہی میسر آتے ہیں۔

ان سطور میں ایسے ہی چند واقعات کا ذکر مقصود ہے، تاکہ ہم میں وہ حضرات جو جذبات کے ان مراحل سے گزر رہے ہیں، اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنا تجزیہ کرسکیں۔ یہ امر بھی واضح ہے کہ ہر انسان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی میں یہ جذباتی مراحل وہ ابدی حقیقتیں ہیں، جن سے کسی فرد بشر کو مفر نہیں، اس لیے یہ ہم سب کے لازمی مطالعے کا وہ ناگزیر نصاب ہے، جسے مزید مختصر نہیں کیا جا سکتا۔

سیرت طیبہ کا یہ کس قدر عجیب عنوان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل آغازِ حیات ہی سے آزمائشوں سے نبرد آزما رہے۔ آپ دنیا میں تشریف لانے سے قبل ہی اپنے والد محترم کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ پھر جب سنِ شعور ابھی دور تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ بھی رخصت ہوئیں۔ ایسے میں جدِ محترم جناب عبد المطلب نے آپ پر دست شفقت رکھا، مگر آزمائش کا مرحلہ ابھی جاری تھا۔ چند برس بعد وہ بھی رخصت ہوئے۔ یہ ساری مدت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی کی محض ۸ سال بنتی ہے۔ عام حالات میں ایسا نومولود جوانی تک پہنچتے پہنچتے، کسی اور برائی میں مبتلا نہ بھی ہو، تب بھی نفسیاتی عوارض کا شکار ضرور ہو جاتا ہے، مثلاً احساس کم تری، خود پسندی، تنہائی پسندی، معاشرتی امور سے لاتعلقی، دوسروں کے معاملات سے بے توجہی، خوف، دہشت، مایوسی، اور کسی بھی نوعیت کی انتہا پسندی وغیرہ کیفیات اس صورت حال میں عام طور پر پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن اگر یہ لمحات بہ حسن وخوبی گزر جائیں، اور انسان ان مواقع پر نہ تو ردِ عمل کا شکار ہو، نہ اس کے جذبات حدِ اعتدال سے تجاوز کریں تو یہ جذبات اور جذباتی مراحل انسان کی شخصیت کی تعمیر کا باعث بن جاتے ہیں۔ یہ حادثے شخصیت میں ٹھہراؤ اور سنجیدگی پیدا کرتے ہیں۔ ایسا انسان معاملہ فہم اور صاحبِ بصیرت بن کر ابھرتا ہے۔ یہی کیفیت اپنی شانِ کمال کے ساتھ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نظر آتی ہے۔ ہم ان سطور میں دونوں نوعیتوں یعنی مسرت، خوشی اور تکلیف والم کے حوالے سے چند واقعات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کو کچھ وقت گزر گیا، اور روایات کے مطابق ڈھائی تین برس بعد علانیہ تبلیغ کا حکم ملا، اور یہ آیت نازل ہوئی۔

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ (۱)

سو جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اس کو صاف صاف سنا دیجیے اور مشرکوں سے کنارہ کشی کر لیجیے۔

تو اس کے معا بعد علانیہ تبلیغ کا آغاز ہو گیا۔ اس کے کچھ مدت بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ۝ (۲)

۱۔ الحجر: ۹۴

۲۔ الشعراء: ۲۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اپنے قرابت داروں کو ڈرایئے۔

اس حکم ربی کے بعد آپ ﷺ نے دو اقدام فرمائے، ایک اعزا و اقارب کی دعوت اور پھر کچھ وقفے کے بعد صفا پہاڑی کا وعظ، یہ دعوتِ عام کا نقطۂ آغاز تھا۔ اور یہی عمل مخالفتِ قریش کا نقطۂ آغاز بھی بنا۔ مخالفت قریش کے ساتھ ساتھ دعوت اسلام بھی آگے بڑھتی رہی، یہ سلسلہ دراز ہوا تو قریش کی تشویش میں مزید اضافہ ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ کے چچا جناب ابو طالب کو آپ کے سرپرست کی حیثیت حاصل تھی، ابو طالب مذہبی اعتبار سے قریش کے ہم خیال بھی تھے، اس تعلق کو استعمال کرنے کے لیے قریش کے عمائدین نے ایک وفد کی شکل میں جناب ابو طالب سے ملاقات کی، اور اس صورت حال پر اپنے خیالات ان کے سامنے رکھے۔ ابو طالب نے فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے انہیں سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ سابق اپنے کام میں مشغول رہے۔ لوگ آپ کی دعوت اور قرآنی تعلیمات کے سبب اسلام میں داخل ہوتے رہے اور کفار میں اضطراب بڑھتا رہا۔ (۳)

کچھ مدت بعد یہ حضرات ابو طالب کے پاس آئے۔ اس بار ان کا لہجہ زیادہ سخت تھا۔ انہوں نے کہا:

> اے ابو طالب آپ عمر میں بھی ہم سب سے بڑے ہیں۔ آپ کی عزت و مرتبہ بھی ہم سب سے بلند ہے۔ ہم سب نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روکیں، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ خدا کی قسم اب ہم اپنے معبودوں کی مذمت اور اپنے آبا و اجداد کی تذلیل پر صبر نہیں کر سکتے۔ اب یا تو تم ہمارے درمیان میں نہ پڑو، ہم خود سمجھ لیں گے یا پھر تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ لوگ غصے میں اٹھ کر چلے گئے۔

ابو طالب یہ صورت حال دیکھ کر پریشان ہوئے کہ پوری قوم ناراض اور سخت دشمن ہو گئی۔ چناں چہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے پیارے بھتیجے تمہاری قوم کے لوگ جمع ہو کر میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے فلاں فلاں باتیں کی ہیں۔ اس لیے اب تم مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو، جو میں برداشت نہ کر سکوں۔ چچا کی گفت گو سن کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ شاید ابو طالب اپنے آپ کو قریش کے مقابلے میں کم زور محسوس کر رہے ہیں۔ اس لیے میری حمایت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں۔ چناں چہ آپ نے فرمایا:

یا عم، واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی، والقمر فی یساری علی أن اترک ھذا!

۳۔ ابن ہشام: ج ۲، ص ۴۔ عیون الاثر: ج ۱، ص ۱۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الامر حتی یظھرہ اللہ او اھلک فیہ ماترکتہ

اے چچا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ میں احکامِ الٰہی کی تبلیغ چھوڑ دوں تو یہ نہیں ہوسکتا، یا تو خدا کا دین غالب ہوگا اور شرک و بت پرستی ختم ہوجائے گی یا پھر میں نہ رہوں گا اور ہلاک کر دیا جاؤں گا۔

یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آب دیدہ ہوگئے اور اٹھ کر چل دیے۔ اس واقعے سے جناب ابوطالب بے حد متاثر ہوئے، اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس بلایا۔ اور کہا: اے پیارے بھتیجے تم جو چاہو کہو اور کرو میں تمہیں کبھی دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا۔ (۴)

ایک ایسے موقع پر جب دنیاوی اعتبار سے کہیں امید کی کوئی کرن اور کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عزم و استقلال ہمارا رہ نما ہے کہ اصل قوت یعنی اللہ تعالیٰ پر اپنا انحصار کرتے ہوئے اپنی ذمے داریوں کی تکمیل کے لیے تگ و دو اصل فریضہ حیات ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت کا آغاز کیا تو ہر موقع کو استعمال کیا۔ آپ ہر اس جگہ بہ نفس نفیس پہنچے جہاں بات کہنے اور عوام تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا امکان تھا۔ اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں میں لگنے والے مختلف موسمی بازاروں کا بھی قصد کیا، اور وہاں موجود افراد کو دعوتِ اسلام دیتے رہے، مگر قریش۔ نے یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ چناں چہ بنی کنانہ کے ایک شیخ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذی المجاز کے میلے میں دیکھا، آپ فرماتے جاتے تھے کہ اے لوگو! **لا الہ الا اللہ** کہہ دو فلاح پا جاؤ گے، اور ابوجہل آپ پر مٹی پھینکتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ شخص تمہارے دین سے تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے، یہ تمہیں تمہارے معبودوں سے چھڑانا چاہتا ہے، یہ تمہیں لات وعزیٰ سے چھڑانا چاہتا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف بالکل التفات نہ فرماتے تھے۔ (۵)

یہ اظہار جذبات کا اہم موقع تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ ابوجہل کی اس قدر واہیات حرکت پر کوئی ردِعمل نہیں دیا، بل کہ اپنے عملِ دعوت میں مصروف رہے۔ یہ ہم سب کے لیے نہایت عبرت کا سبق ہے کہ اپنی صلاحیتوں کو منفی استعمال کرنے کے بہ جائے انہیں درست مقام پر استعمال کرنا چاہیے

۴۔ ابن ہشام: ج ۲،ص ۴۔ ۵۔ عیون الاثر: ج ۱،ص ۱۸۹

۵۔ مسند احمد: ج ۵،ص ۹، رقم ۱۶۱۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ردِ عمل سے حتی الامکان احتراز کرنا چاہیے۔

۳۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جذباتی لمحات میں سے ایک اور موقع سیرت کے اوراق میں اس طرح بیان ہوا ہے، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ان میں سے ایک شخص (ابوجہل) نے کہا کہ تم میں سے کوئی شخص جا کر فلاں قبیلے کی اونٹنی کی (جو ذبح ہوئی ہے) اوجھڑی اٹھا لائے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب سجدے میں جائیں تو ان کی پیٹھ پر رکھ دے، یہ سن کر ان میں سے سب سے زیادہ بدبخت (عقبیٰ بن ابی معیط) اٹھا اور اوجھڑی لے کر آیا اور دیکھتا رہا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے تو اس نے اوجھڑی کو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں یہ منظر دیکھ رہا تھا مگر کچھ کر نہ سکتا تھا، کاش مجھے اس کی طاقت ہوتی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس حرکت پر کفار ہنسنے لگے، وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے اور (بوجھ کی وجہ سے) سر نہ اٹھا سکتے تھے، اتنے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں۔ اور آپ کی پیٹھ سے بوجھ اتار پھینکا، پھر آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا اے اللہ تو قریش کی تباہی کو لازم کر دے، یہ بات آپ نے تین بار فرمائی۔ کفار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا شاق گزری، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ان کا خیال تھا کہ اس شہر (مکہ مکرمہ) میں دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ہر ایک کا نام لیا اور فرمایا کہ اے اللہ، ابوجہل کو، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو ضرور ہلاک کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں آدمی کا نام بھی لیا تھا مگر راوی کہتے ہیں کہ ہمیں وہ یاد نہیں رہا۔ ابن اسحاق نے ساتواں نام عمارہ بن ولید کا ذکر کیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن کا نام لیا تھا میں نے ان سب کو بدر کے کنویں میں پڑا ہوا دیکھا۔ یعنی سب غزوہ بدر میں ہلاک ہوئے۔ (۶)

دیکھیے مظلوم کی آہ بہ جائے خود ایک پیغام ہے۔ آپ ﷺ نے مظلومیت کے اس عالم میں اپنا مقدمہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کرنے پر اکتفا فرمایا اور خود کسی ایسے عمل میں نہیں الجھے، جو آپ کے لیے اور اس وقت موجود مسلمانوں کی مختصر سی جماعت کے لیے مزید ضرر اور نقصان کا باعث ہوتا، نہ آپ ﷺ نے تکلیف کے اس مرحلے میں اظہارِ جذبات میں اپنے مقام سے فروتر کسی عمل کا مظاہرہ فرمایا۔ بل کہ صبر کا

۶۔ بخاری: ج۱، ص۵۶، رقم ۲۴۰۔ ج۲، ص۵۰۱، رقم ۳۸۵۴۔ فتح الباری: ج۱، ص ۴۶۰، ۴۶۳۔ مسلم: ج۳، ص۱۹۷، رقم ۱۷۹۴ (۴۶۴۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مظاہرہ فرما کر اپنی کم زوری کو اللہ کے دربار میں پیش فرمادیا۔

۴۔ مسلمانوں پر مظالم کے سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر قریش کے ظلم و تشدد کا واقعہ بھی نہایت اہم ہے۔ اس موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کمال ضبط و تحمل کا مظاہرہ فرمایا اور انتہائی جذباتی فضا اور رقت آمیز ماحول میں جس طرح صبر و برداشت فرمایا وہ بھی ایک درس ہے، ایک سبق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک قدرے طویل روایت ہے کہ جب خفیہ دعوت و تبلیغ کے ذریعے مسلمانوں کی تعداد اڑتیس تک پہنچ گئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوکر تبلیغ کا سلسلہ شروع کرنے پر اصرار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ ابھی ہماری تعداد تھوڑی ہے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلسل اصرار کرتے رہے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر ہونے کا فیصلہ کرلیا، چناں چہ مسلمان مسجدِ حرام کی تمام جانب پھیل گئے، ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے قبیلے میں تھا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پاس تشریف فرما تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام کے سب سے پہلے خطیب ہیں انہوں نے مشرکین کے سامنے اسلام کا پیغام رکھا۔ یہ دیکھ کر مشرکین نے حضرت ابوبکرؓ اور دیگر مسلمانوں پر حملہ کردیا، اور انہیں مسجد الحرام میں بری طرح مارا پیٹا، خاص کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انہوں نے بہت مارا اور انہیں پاؤں تلے روند ڈالا، خصوصاً عتبہ بن ربیعہ نے ان پر بہت تشدد کیا، وہ آپؓ کو تسمے دار جوتوں سے مارتا رہا، اور ان کے پیٹ پر چڑھ گیا، یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کا پورا چہرہ اس طرح خون آلود ہوگیا کہ پہچانا ہی نہیں جاتا تھا۔ پھر بنوتیم (ابوبکرؓ کا قبیلہ) نے آکر ان کا دفاع کیا، یوں ان کی مشرکین سے جان بخشی ہوئی۔

پھر بنوتیم حضرت ابوبکرؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لے گئے، اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی یہ حالت تھی کہ لوگوں کو ان کی وفات کا یقین ہوگیا۔ چناں چہ پھر بنوتیم نے واپس مسجد الحرام میں آکر اعلان کیا کہ اگر ابوبکرؓ وفات پاگئے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو قتل کردیں گے، پھر وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہؓ اور بنوتیم کے لوگ مسلسل ان سے بات چیت کی کوشش کرتے رہے، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شام کے قریب گفت گو کے قابل ہوئے، اور جب ان کی طبیعت قدرے بہ حال ہوئی تو پہلا سوال یہی کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ یہ سن کر لوگ انہیں کو ملامت کرنے لگے، لیکن حضرت ابوبکرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھتے رہے۔ ان کی والدہ کہنے لگیں کہ مجھے تمہارے ساتھی کے بارے میں کچھ علم نہیں، ابوبکرؓ نے کہا کہ آپ امِ جمیل بنتِ خطابؓ کے پاس جایئے اور ان سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوچھ کر مجھے بتایے، (امِ جمیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں جو اس وقت مسلمان ہو چکی تھیں) چناں چہ حضرت ابوبکرؓ کی والدہ امِ جمیلؓ کے پاس گئیں اور کہا کہ ابوبکرؓ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال پوچھ رہا ہے۔ امِ جمیل کہنے لگیں کہ میں نہ تو ابوبکرؓ کو جانتی ہوں نہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو، ہاں اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے کے پاس چلی چلتی ہوں، انہوں نے کہا ٹھیک ہے، چناں چہ وہ حضرت ابوبکرؓ کی والدہ کے ہم راہ ان کے پاس آئیں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تکلیف کی وجہ سے لیٹے ہوئے پایا، یہ حال دیکھ کر وہ غضب ناک ہوگئیں اور کہنے لگیں کہ جن لوگوں نے آپؓ کے ساتھ یہ سلوک کیا وہ فاسق و فاجر ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ اللہ آپؓ کی طرف سے ان سے انتقام لے گا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے ان سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ امِ جمیلؓ کہنے لگیں کہ آپؓ کی والدہ سن رہی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سے تمہیں کوئی اندیشہ نہیں، امِ جمیلؓ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ امِ جمیلؓ نے بتایا کہ وہ دارِ ارقم میں ہیں، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہو جاؤں گا، اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ اس وقت نہ تو حضرت ابوبکر صدیق چل سکتے تھے، نہ باہر کے حالات ایسے تھے کہ گھر سے نکل کر اس مقام تک جا سکتے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام پذیر تھے، کچھ دیر توقف کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ کے پیر میں کچھ آرام ہوا اور لوگ بھی پرسکون ہو گئے تو وہ نکلے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے ہی ان پر جھک گئے اور انہیں بوسہ دیا، دیگر مسلمان بھی ان پر جھک گئے، اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ انہیں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہوگئی، یہ دیکھ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے کوئی فکر نہیں، بس انہوں نے میرا چہرہ زخمی کر دیا ہے۔ یہ میری والدہ ہیں جو اپنے بیٹے کے ساتھ حسنِ سلوک کرتی ہیں، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، شاید اللہ تعالیٰ انہیں آپ کے ذریعے آگ سے بچالے۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی اور وہ اسلام لے آئیں۔ (۷)

ملاحظہ کیجیے، کس قدر غم اور الم کا مقام تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتہائی اہم ترین ساتھی موت و زیست کی کش مکش میں مبتلا ہیں، ایسے میں اگر مشرکین کے تشدد اور تشدد دانہ رویے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی ردعمل کا مظاہرہ کرتے تو ہر اعتبار سے درست ہوتا، مگر آپ نے مقامِ صبر میں صبر ہی کا مظاہرہ فرمایا۔ اور اپنے دکھ کا

۷۔ سیرت ابن کثیر: [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اظہار بھی اس طرح فرمایا کہ رہتی دنیا کے لیے ایک اسوۂ عمل بنا دیا۔

۵۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک کے آٹھ برس بعد سے لے کر عمر مبارک کے ۵۰ برس تک یعنی ۱۰ نبوی تک آپ کے چچا جناب ابو طالب آپ ﷺ کے ساتھ رہے، اور ہر مرحلے میں آپ کی سر پرستی فرماتے رہے۔ (۸) جناب ابو طالب اور ان کے چند روز بعد آپ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سن ۱۰ نبوی میں پے در پے وفات پا گئیں، ان صدموں کی شدت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ آپ ﷺ کے لیے جذباتی حوالے سے یہ نہایت سخت لمحہ تھا۔ اس قدر سخت کہ صبر اور تحمل کے معنیٰ اپنے عمل سے امت کو تعلیم فرمانے والے نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس سال کو عام الحزن فرمایا۔ یعنی غم کا سال۔ صرف اس ایک بات سے بھی اس کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جس سے آپ ﷺ گزر رہے تھے۔ لیکن آپ کے عمومی رویے میں ان جذباتی حالات کے سبب اور کوئی ردِ عمل روایات سیرت سے ہمیں معلوم نہیں ہوتا۔ (۹)

۶۔ دعوتی مراحل میں اور عہدِ مکی میں سفر طائف بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے، ۱۰ نبوی میں، آپ ﷺ نے دعوت کے نئے امکانات کی تلاش میں طائف کے سفر کا فیصلہ کیا، اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہم راہ آپ ﷺ وہاں کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت طائف میں تین سرداروں کا راج تھا، تینوں عمر کے سگے بیٹے تھے، عبد یا لیل، مسعود اور حبیب، آپ ﷺ تینوں سرداروں کے پاس گئے، اور ان کو دعوت اسلام دی، مگر یہ لوگ حق بات سننے کی بجائے آپ ﷺ کے ساتھ نہایت بے رخی اور بد اخلاقی سے پیش آئے۔ ان میں سے ایک نے سخت گستاخی کرتے ہوئے کہا کہ خدا نے تجھ کو کعبے کا پردہ چاک کرنے کے لیے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ دوسرے نے کہا کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی نہیں ملا؟ جسے سوار ہونے کے لیے سواری بھی میسر نہیں، اسے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بناتا۔ تیسرے نے کہا میں تجھ سے بات نہیں کرتا۔ اگر تو سچا ہے جیسا کہ تو کہتا ہے تو تجھ سے گفت گو کرنا خلاف ادب ہے، اور اگر تو جھوٹا ہے تو گفت گو کے قابل نہیں۔ ان کی اس قدر نامعقول اور گستاخانہ گفت گو سننے کے باوجود بھی آپ ﷺ

۸۔ یہاں یہ بحث مقصود نہیں کہ جدِ محترم جناب عبد المطلب کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کی پرورش کس نے کی؟ یہ سیرت کا ایک علیحدہ سوال ہے، جس پر لکھا بھی گیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ہادیٔ اعظم: ج ۱، ص ۲۲۰

۹۔ جناب ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی دفات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: بخاری: ج ۲، ص ۵۰۹، رقم ۳۸۸۳۔ ابن حجر۔ فتح الباری: ج ۷، ص ۲۴۶۔ مسلم: ج ۱، ص ۱۶۴، رقم ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۱، ۳۶۲۔ بخاری: ج ۲، ص ۲۲۴۔ شامی: ج ۲، ص ۴۳۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس قدر فرمایا کہ اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو، ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسروں کے لیے ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں۔

اس کے بعد ان سرداروں نے کچھ اوباش اور آوارہ لڑکوں کو اکسایا کہ وہ آپ کا مزاق اڑائیں اور آپ ﷺ پر پتھر برسائیں۔ چناں چہ ان اوباش اور آوارہ لوگوں نے آپ ﷺ پر اس قدر پتھر برسائے کہ آپ زخمی ہو گئے اور آپ کی پنڈلیوں سے خون بہنے لگا، جس سے آپ ﷺ کے جوتے بھر گئے، جب آپ تکلیف کے سبب بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب بازو تھام کر آپ ﷺ کو کھڑا کر دیتے اور جب آپ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، نازیبا کلمات کہتے اور تالیاں بجاتے۔ اس تمام عرصے میں حضرت زید بن حارثہؓ برابر آپ کو بچانے کی کوشش کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کا اپنا تمام سر بھی زخمی ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ان شریروں کے شر سے بچنے کے لیے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی۔ تب جا کر ان اوباشوں سے جان چھوٹی، اور وہ اوباش لڑکے واپس لوٹ گئے۔ (۱۰)

اس باغ میں عتبہ اور شیبہ بھی موجود تھے۔ آپ ﷺ کچھ دیر کے لیے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور یہ دعا مانگی۔ یہ دعا بھی ہم سب کے لیے نہایت سبق آموز ہے۔

اللّٰھم الیک اشکو ضعف قوتی، وقلة حیلتی، وھوانی علی الناس، یا ارحم الراحمین، انت رب المستضعفین، وانت ربی الی من تکلنی، الی بعید یتجھمنی؟ او الی عدو ملکته امری، ان لم یکن بک غضب علی فلا ابالی، غیر ان عافیتک ھی اوسع لی، اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت له الظلمات، وصلح علیه امر الدنیا والآخرة، ان یحل علی غضبک، او ان ینزل بی سخطک، لک العتبی حتی ترضی، ولا حول ولا قوۃ الا بک (۱۱)

اے اللہ! میں اپنی کم زوری اور تدبیر کی کمی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی ذلت و بے توقیری کی آپ سے شکایت کرتا ہوں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! آپ تو عاجزوں اور کم زوروں کے مالک و رب ہیں اور میرے مالک و رب بھی آپ ہی ہیں۔ آپ مجھے کسی غضب ناک دشمن کے سپرد کریں گے یا کسی دوست کے، جس کو آپ نے میرے امور کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں تو مجھے ان

۱۰۔ مظہری: ج ۱۰، ص ۸۰۔ ابن ہشام: ج ۲، ص ۱۷۲۔ عیون الاثر: ج ۱، ص ۲۳۱، ۲۳۳

۱۱۔ ابن ہشام: ج ۱، ص ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ زاد المعاد: ج ۳، ص ۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب مصائب اور تکالیف کی پرواہ نہیں، کیوں کہ آپ کی عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں آپ کی ذات مبارک کے نور کی پناہ لیتا ہوں۔ جس سے تمام تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے سب کام درست ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے کہ آپ مجھ پر اپنا غضب نازل فرمائیں۔ مجھے آپ کی رضامندی اور خوش نودی درکار ہے۔ اور ہم آپ کی مدد کے بغیر نہ تو کسی برائی سے بچ سکتے ہیں اور نہ کوئی بھلائی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس موقع پر آپ ﷺ کے چہرے سے تکلیف کے اثرات دیکھ کر ربیعہ کے دونوں بیٹوں (شیبہ اور عتبہ) نے اپنے عیسائی غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا ایک طبق میں انگور رکھ کر آپ ﷺ کے پاس بھیجے۔ عدّاس نے انگور کا طبق آپ ﷺ کے سامنے لا کر رکھا تو آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ عدّاس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ خدا کی قسم میں نے یہاں کے لوگوں کے منہ سے ایسا کلمہ نہیں سنا۔ پھر آپ ﷺ نے عدّاس سے دریافت فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے۔ عداس نے جواب دیا کہ میں عیسائی ہوں اور موصل کے قریب نینوا کا رہنے والا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم مرد صالح حضرت یونسؑ کی بستی کے رہنے والے ہو۔ عداس نے کہا کہ آپ حضرت یونسؑ کو کیسے جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میرے بھائی ہیں اور میری طرح اللہ کے نبی تھے۔ عداس نے کہا کہ آپ کا نام کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ عداس نے کہا کہ میں نے تورات میں آپ ﷺ کا ذکر پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مکے میں مبعوث فرمائے گا۔ اہلِ مکہ آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کو نکال دیں گے، پھر آپ کی مدد ہوگی اور آپ ﷺ کا دین روئے زمین پر پھیلے گا۔ اس کے بعد عداس نے آپ ﷺ کی پیشانی اور دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور مسلمان ہو گیا۔ عتبہ اور ربیعہ یہ سب دیکھ رہے تھے اور آپس میں کہنے لگے کہ اس نے ہمارے غلام کو تو خراب کر دیا۔

جب عداس، عتبہ اور ربیعہ کے پاس واپس آیا تو انہوں نے کہا کہ عداس تجھے کیا ہوا کہ تو اس شخص کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دے رہا تھا۔ اس نے کہا میرے سردار و اس وقت روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کم بخت ایسا نہ ہو کہ یہ آدمی تجھے تیرے مذہب سے پھیر دے، کیوں کہ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔ یہ دراصل غیبی مدد تھی، جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سرفراز فرمایا۔ (۱۲)

۱۲۔ ابن ہشام: ج ۲، ص ۱۷۳۔ عیون الاثر: ج ۱، ص ۲۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اندوہ ناک واقعے کی مزید تفاصیل خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنا بیان میں بھی ملتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُحد سے زیادہ سخت دن بھی آیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ تیری قوم نے مجھے سخت سے سخت تکلیفیں دیں، لیکن سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جب میں نے طائف کے سفر کے دوران عبد یالیل اور اس کے بھائیوں پر اسلام پیش کیا اور انہوں نے قبول نہ کیا۔ میں وہاں سے بہت رنج وغم کے ساتھ واپس ہوا۔ قرن الثعالیب (ایک مقام کا نام) میں پہنچا تو کچھ افاقہ ہوا۔ اس کے بعد میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اور اس میں جرائیلِ امینؑ موجود ہیں۔ جرائیلؑ نے مجھے آواز دی اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے جو حرکتیں اور بدسلوکی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی ہے اللہ تعالیٰ نے وہ سب دیکھ لی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (پہاڑوں کے فرشتے) کو بھیجا ہے آپ جو چاہیں اسے حکم دیں۔ اس کے بعد اس (پہاڑوں کے فرشتے) نے مجھے سلام کیا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، میں ملک الجبال ہوں اور تمام پہاڑ میرے تصرف میں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو چاہیں مجھے حکم دیں۔ اگر آپ حکم دیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو جن کے درمیان اہل مکہ اور اہل طائف رہتے ہیں ملا دوں، جس سے یہ تمام لوگ کچل کر ہلاک ہو جائیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے، بل کہ مجھے امید ہے کہ ان کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں کریں گے۔ (۱۳)

پورے اختیار کے باوجود ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جب کہ آپ شدید ترین تکالیف سے دوچار تھے، اور سخت زخمی تھے، صبر اور ضبط سے کام لیا اور اپنے جذبات پر اپنی گرفت برقرار رکھتے ہوئے، ہر طرح کے جذباتی ردِ عمل سے احتراز فرمایا۔

۷۔ سرزمین مکہ کا اپنا مقام و مرتبہ ہے۔ یہاں خود اللہ تعالیٰ نے خاص نوعیت کی کشش رکھی ہے، پھر انسان جہاں پیدا ہوتا ہے، اور جہاں اپنی زندگی کے ابتدائی ایام اور جوانی کے لمحات بسر کرتا ہے، اس جگہ سے انسیت فطری امر ہے۔ اور اگر انسان کو حالات کے جبر کے تحت اپنا گھر بار سب چھوڑنا پڑے، اور اس قدر زیادہ تعلق خاطر والی جگہ سے رخصت ہونا پڑے تو کیا کیفیت ہوگی؟ ہجرت مدینہ ان ہی جذبات کے ساتھ مکمل ہوئی۔ جب اذنِ ربی ہوا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنا گھر بار چھوڑنے پر آمادہ

۱۳۔ بخاری: ج ۲، ص ۳۳۹، رقم ۳۲۳۱۔ مسلم: ج ۴، ص ۱۹۹، رقم ۱۱۱ (۱۷۹۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے اور اپنے رفیق سفر، رفیقِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہم راہ مکے سے سوئے یثرب عازم سفر ہوئے، کہ اسے قدم نبوت کے صدقے میں یثرب سے مدینۃ النبی بننے کا شرف حاصل ہونا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے ماحول میں روانہ ہوتے ہیں کہ دشمن آپ کو ختم کردینے کا فیصلہ کر چکا ہے، تلواریں نیام سے نکل آئی ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیتِ ابوبکر سے خاموشی کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں، ایسے ماحول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کیفیت ہے؟ چند روایات ملاحظہ ہوں:

ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکے سے روانہ ہوئے تو ایک ٹیلے پر سے نظر ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو دیکھا اور فرمایا:

خدا کی قسم! تو اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب۔ اگر میں (یہاں سے) نہ نکالا جاتا تو (میں) نہ نکلتا۔ (۱۴)

اس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا:

واللہ انی لاخرج منک وانی لا علم انک احب بلاد اللہ الی اللہ واکرمہا علی اللہ، ولولا ان اھلک اخرجونی منک ماخرجت (۱۵)

میں یہاں سے جا رہا ہوں، حال آں کہ مجھے معلوم ہے کہ تو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور اللہ کے ہاں سب شہروں سے زیادہ پسندیدہ ہے اور مجھے بھی بڑا محبوب ہے، اگر تیرے رہنے والے مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں کبھی دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔

محمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینے جانے کے ارادے سے جب مکے سے روانہ ہوئے تو یہ دعا فرمائی:

الحمد اللہ الذی خلقنی ولم اک شیئا، اللھم اعنی علی ھول الدنیا، وبوائق الدھر، ومصائب اللیالی والایام، اللھم اصحبنی فی سفری، واخلفنی فی اھلی، وبارک لی فیما رزقتنی، ولک فذللنی، وعلی صالح خلقی فقومنی، والیک رب فحبنی، والی الناس فلا تکلنی، رب المستضعفین وانت ربی، اعوذ بوجھک الکریم الذی اشرقت لہ السموات والارض، وکشفت بہ الظلمات، وصلح علیہ امر الاولین والآخرین، ان تحل علی غضبک، او تنزل بی سخطک، اعوذ بک

۱۴۔ ترمذی: ج ۵، ص ۴۸۶۔ رقم ۳۹۵۱۔ دارمی: ج ۲، ص ۳۱۱۔ ابن ماجہ: ج ۳، ص ۳۳۶، رقم ۳۱۰۸

۱۵۔ حلبی: ج ۲، ص ۱۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من زوال نعمتک وفجاۃ نقمتک وتحول عافیتک وجمیع سخطک لک العتبی عندی خیر ما استطعت لا حول ولا قوۃ الا بک (۱۶)

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ جس نے مجھے اس وقت پیدا کیا جب میں کچھ نہیں تھا۔ اے اللہ میری دنیا کی ہولناکیوں، زمانے کے حوادث اور رات دن کے مصائب پر مدد فرما۔ اے اللہ تو میرے سفر میں میرا صاحب اور میرے گھر میں میرا قائم مقام بن جا، اور جو کچھ مجھے رزق عطا فرمایا ہے اس میں برکت فرما۔ اور مجھے اپنا ہی فرماں بردار اور اچھی عادات پر قائم رکھ، اور مجھے اپنی محبت عطا فرما، اور میرا معاملہ لوگوں کے سپرد نہ فرما۔ اے کمزوروں کے رب تو میرا بھی رب ہے۔ میں تیری کریم ذات کی جس کے لیے آسمان وزمین روشن ہوتے ہیں اور ظلمتیں دور ہو جاتی ہیں، اور اولین و آخرین کے معاملات درست ہو جاتے ہیں، اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ میرے لیے تیرا غضب حلال ہو جائے، یا تیرا غصہ نازل ہو۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں، تیری نعمتوں کے زائل ہونے، تیرے عذاب کے اچانک نازل ہونے، تیری عافیت کے پھر جانے، اور تیری ہر طرح کی ناراضگی سے، انجام صرف تیرے قبضے میں ہے، میں تو اپنی استطاعت کے مطابق خیر رکھتا ہوں۔ تیرے سوا کسی کے پاس طاقت اور قوت نہیں۔

ملاحظہ ہو کہ اس سوگ وار فضا میں بھی آپ ﷺ نہایت صبر وتحمل کے ساتھ اپنے رب کے سامنے دست دعا دراز کرنے پر اکتفا فرماتے ہیں، اور ایسا کوئی عمل نہیں فرماتے، جو صبر اور ضبط کے منافی ہو۔

۸۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رقت قلبی اور رحم دلی کا معاملہ صرف انسانوں کے ساتھ ہی نہیں تھا۔ جان دار تو جان دار بے جان چیزیں بھی آپ ﷺ کی رحمت وشفقت سے متمتع ہوئیں۔ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد کسی موقع پر آپ ﷺ کے خطاب فرمانے کے لیے منبر بنایا گیا۔ منبر بننے سے قبل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے ایک تنے کا سہارا لے کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، جب منبر بن گیا تو آپ ﷺ نے اس پر خطبہ دیا، یہ دیکھ کر کھجور کا تنا رونے لگا۔ بخاری میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دیتے وقت ایک درخت یا کھجور (کے تنے) کے پاس کھڑے ہوتے تھے۔ جب منبر بن گیا اور جمعہ کا دن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر تشریف فرما ہوئے تو اس پر کھجور کے تنے سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

© rasailojaraid.com

۱۶۔ مصنف عبد الرزاق: ج ۵، ص ۱۵۶۔ سیرت ابن کثیر: ج ۲، ص ۲۲۲۔۲۲۵۔ شامی: ج ۲، ص ۲۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منبر سے اترے۔ اسے گلے لگالیا اور جیسے بچوں کو چپ کراتے ہیں اس طرح چپ کرایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تنا اس ذکر پر رو رہا تھا جو اس کے قریب ہوا کرتا تھا۔(۱۷)

بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ تنے سے اونٹنی کی آواز کی طرح آواز آئی اور ایک روایت میں ہے کہ رونے کی آواز آئی۔(۱۸)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جب کھجور کا تنا رونے لگا تو آپ نے اسے اپنے ساتھ چمٹالیا، اس پر وہ چپ ہوگیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اسے میں نہ چمٹاتا تو قیامت تک اسی طرح روتا رہتا۔(۱۹)

اور ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے لیے گڑھا کھودا جائے اور اس میں اسے دفن کیا جائے۔(۲۰)

دیکھیے آپ ﷺ نے کس طرح کھجور کے اس تنے کے جذبات کا بھی احترام فرمایا، اور تنے کی قسمت بھی ملاحظہ ہو کہ وہ بے جان ہو کر بھی ذات رسالت مآب ﷺ کے قرب اور محبت کے صدقے میں کس قدر اعزاز و اکرام کا مستحق قرار پایا۔

۹۔ غزوہ احد تمام غزوات میں مشکل ترین غزوہ ہے، اس میں بعض حضرات کی ایک لغزش کے سبب ایک وقت ایسا آیا، جب مسلمانوں کو محسوس ہونے لگا کہ وہ شکست کھا رہے ہیں، اور دشمن ان کے قریب پہنچ گیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس دن سعد بن ابی وقاص کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے موقع پاکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک پتھر پھینکا جس سے آپ کے دائیں جانب کا نیچے کا دندان مبارک شہید ہوگیا، اور نیچے کا لب مبارک زخمی ہوگیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں جس قدر اپنے بھائی کے قتل کا حریص اور خواہش مند رہا، اتنا کبھی کسی کے قتل کا حریص اور خواہش مند نہیں رہا۔(۲۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن زخمی ہوگئے اور آپ کے سامنے کے دانتوں کو صدمہ پہنچا، آپ ﷺ اپنے چہرۂ انور سے خون کو صاف کر رہے تھے اور

۱۷۔ بخاری: ج ۲، ص ۴۳۳، رقم ۳۵۸۴

۱۸۔ بخاری: ج ۲، ص ۴۳۳

۱۹۔ دارمی: ج ۱، ص ۳۱۔ مسند احمد: ج ۱، ص ۳۱۲

۲۰۔ دارمی: ایضاً

۲۱۔ ابن ہشام: ج ۳، ص ۱۵۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرما رہے تھے کہ ایسی قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا ہے، حال آں کہ وہ نبیؐ تو ان کو ان کے رب کی طرف بلاتا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی:

لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡہِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَہُمۡ فَاِنَّہُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ۝ (۲۲)

اس کام میں آپ کا کچھ اختیار نہیں، چاہے اللہ ان کو توبہ نصیب کرے یا ان کو عذاب دے۔ بلاشبہ وہ تو ظالم ہیں۔ (۲۳)

حضرت ابو حازمؓ سے مروی ہے کہ سہیل بن سعدؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ البتہ مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو کون دھوتا تھا اور کون پانی لاتا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ آپ کے زخموں کو دھوتی تھیں اور حضرت علی ابن ابی طالبؓ ڈھال میں بھر کر پانی لاتے تھے۔ پس جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی کے ساتھ دھونے سے خون بند نہیں ہو رہا ہے تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو جلایا اور اس کی راکھ کو (زخم میں) بھر دیا، اس طرح پس خون بند ہو گیا۔ اس روز آپ کا سامنے کا دندانِ مبارک بھی شہید ہوا۔ چہرۂ مبارک زخمی ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ٹوٹ گیا۔ (۲۴)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے اور آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر بھی زخم آئے تو صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان کے لیے بد دعا فرمایے، مگر آپ نے فرمایا کہ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا مجھے تو ہادی و رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے، اور پھر ان کفار کے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما، کیوں کہ یہ مجھے جانتی نہیں۔ (۲۵)

۱۰۔ بیعت رضوان حیات طیبہ کا اہم ترین موڑ ہے۔ اس موقع پر صلح حدیبیہ جیسا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ جس کی اہمیت مابعد کے پورے عہد نبوی میں نہایت نمایاں طور پر محسوس ہوتی رہی۔ اس صلح کے موقع پر صلح سے قبل ایک مرحلے یہ درپیش ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے بات چیت کے لیے مکہ مکرمہ روانہ کیا۔ اسی دوران کچھ وقفے کے بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس سے قبل بات چیت جاری تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نرمی اور

۲۲۔ آل عمران: ۱۲۸

۲۳۔ احمد: ج ۴، ص ۴۰۵۲، رقم ۱۲۴۲۰

۲۴۔ بخاری: ج ۳، ص ۷، ۳، رقم ۴۰۷۵

۲۵۔ الشفا: ج ۱، ص ۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افہام وتفہیم کے ساتھ اس مسئلے کا حل نکالنے کے خواہش مند تھے، مگر جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا ہے، تو آپ کو سخت صدمہ ہوا، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک میں ان سے بدلہ نہیں لے لوں گا یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لیے طلب فرمالیا۔(۲۶)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ سے ایک درخت کے نیچے جس کے سائے میں آپ بیٹھے ہوئے تھے، جہاد کے لیے بیعت لی۔ اس بیعت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس موقع پر مسلمانوں کی تعداد صرف ۱۴سو، ۱۵سو یا ۱۶سو (باختلافِ روایت) تھی اور ان کے پاس کسی قسم کا سامان جنگ بھی نہ تھا، نیز اپنے گھر بار سے تقریباً تین سو میل دور تھے۔ دوسری طرف مشرکین مکہ سے مسلمانوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ وہ اپنے شہر میں تھے، اپنی پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر سکتے تھے، اور آس پاس کے اپنے حامی قبائل کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا سکتے تھے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کا پورا قافلہ جان کی بازی لگانے کے لیے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے فوراً تیار ہوگیا۔

پھر بیعت کا آغاز ہوگیا، چناں چہ حضرت سلمہ بن اکوع کا بیان ہے کہ سب لوگوں سے پہلے میں نے بیعت کی، پھر دوسرے آدمی نے پھر تیسرے آدمی نے، یہاں تک کہ جب آدھے حضرات بیعت کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمہ بیعت کرو، میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں تو بیعت کر چکا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر سہی۔ میں نے دوبارہ بیعت کر لی، اس کے بعد آپ ﷺ نے اور لوگوں سے بیعت لی، جب آخری آدمی بھی بیعت کر چکا تو آپ نے فرمایا کیا تو بیعت نہیں کرے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو سب سے پہلے اور درمیان میں بیعت کر چکا۔ آپ نے فرمایا اور سہی، چناں چہ میں نے تیسری بار بھی بیعت کر لی۔ جب آپ ﷺ بیعت سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا یہ بیعت عثمانؓ کی جانب سے ہے۔(۲۷)

کس قدر جذباتی لمحہ ہوگا، جب حضرت عثمانؓ ہی کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ان ہی کی جانب سے آپ ﷺ خود بیعت فرماتے ہیں، اور اپنے ایک ہاتھ کو ان کا ہاتھ قرار دے کر اس امر کی اہمیت اجاگر فرماتے ہیں۔

۲۶۔ عیون الاثر: ج ۲، ص ۱۶۶۔ شامی: ج ۵، ص ۴۸۔ سیرت ابن کثیر: ج ۳، ص ۳۱۹

۲۷۔ مسند احمد: ج ۱، ص ۹۶۔ زاد المعاد: ج ۳، ص ۲۹۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ زید بن حبیش کی سند سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو سب سے پہلے ابوسنان اسدی آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایے۔ آپ نے فرمایا کس چیز پر بیعت کرتا ہے۔ ابوسنان نے عرض کیا کہ اس چیز پر جو میرے دل میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے دل میں کیا ہے، ابوسنان نے کہا کہ میرے دل میں یہ ہے کہ میں اس وقت تک تلوار چلاتا رہوں، جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ نصیب فرمائے، یا میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جاؤں۔ پھر آپ نے ان کو بیعت فرمایا اور اسی پر سب نے بیعت کی، اسی بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ (۲۸)

سورۂ فتح میں اس بیعت کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَھَا ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۝ (۲۹)

البتہ اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب کہ وہ اس درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، پھر اس نے معلوم کر لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پھر ان پر سکینت اتاری اور ان کو نزدیک آنے والی فتح دی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی دے گا جن کو وہ لیں گے، اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

نازک مرحلہ تھا، آپ کے قریب ترین ساتھی اگر دشمن کے ہاں شہید ہو جاتے، جب کہ ان کی حیثیت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی تھی، تو یہ مرحلہ صبر نہیں، مرحلۂ عمل تھا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً بیعت لی اور جذبات کا رخ عملی کاروائی کی جانب موڑ دیا۔

۱۱۔ غزوۂ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے، اور نہایت مظلومانہ شہید ہوئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت بڑا حادثہ تھا۔ نہ صرف یہ کہ ان کو شہید کیا گیا، بل کہ ان کا نہایت بے رحمانہ طریقے سے مثلہ کیا گیا، یہ عمل وحشی بن حرب نے کیا تھا۔ وحشی بن حرب مکہ کی فتح کے بعد طائف آ گئے تھے جب طائف بھی فتح ہوا تو ان کے لیے کوئی جائے امن باقی نہ رہی، پھر جب اہلِ طائف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد بھیجا اور لوگوں نے وحشی بن حربؓ سے کہا کہ انبیا کسی

۲۸۔ زرقانی: ج ۲، ص ۲۰۷۔ شامی: ج ۵، ص ۵۰

۲۹۔ الفتح: ۱۸، ۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر زیادتی نہیں کرتے تو وہ بھی وفد کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا کہ تو وحشی بن حرب ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تو نے ہی حمزہؓ کو شہید کیا تھا؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہو سکے تو میرے سامنے نہیں آنا۔(۳۰)

جس شخص پر اس قدر بڑا الزام تھا، جو آپ ﷺ کے ایسے چچا کا قاتل تھا، جو آپ کے دست راست تھے، وہ کس قدر سہولت سے معافی پا جاتا ہے؟ اور اس کی ذات سے جو اندوہ ناک حادثہ وابستہ ہے، اس کے جذباتی پہلو سے آپ ﷺ کس طرح عہدہ برا ہوتے ہیں کہ اسے صرف اپنے سامنے آنے سے منع فرما دیتے ہیں۔ بس اور کچھ بھی نہیں۔ سبحان اللہ

۱۲۔ حضرت ابراہیمؓ آپ ﷺ کی آخری اولاد ہیں، جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے ماہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔(۳۱) ساتویں روز آپ ﷺ نے ان کا عقیقہ کیا، ان کا سر منڈوایا، بالوں کے برابر چاندی تول کر صدقہ کیا اور بال زمین میں دفن کئے اور ابراہیمؓ نام رکھا اور عوالی میں ایک دودھ پلانے والی کے حوالے کیا۔ کبھی کبھی آپ ﷺ تشریف لے جاتے اور گود میں لے کر ان کو پیار کرتے۔ انہوں نے سولہ مہینے زندہ رہ کر ۱۰ھ میں انتقال کیا۔ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؓ کے انتقال کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے بقیع میں دفن کرو، یہ جنت میں دودھ پیے گا۔(۳۲)

حضرت قتادہؓ اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز عبد الرحمن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑا اور اس باغ میں پہنچے جہاں ابراہیم رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ان کا آخری وقت قریب تھا، آپ ﷺ نے انہیں اپنی گود میں لٹا لیا، جب ان کی وفات ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو بہہ نکلے، یہ دیکھ کر عبد الرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ﷺ بھی رو رہے ہیں؟ کیا آپ نے رونے سے منع نہیں فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو نوحہ کرنے اور دو طرح کی احمق اور فاجرانہ آوازوں سے منع کیا ہے، ایک تو خوشی کے موقع پر لہو و لعب اور گانے بجانے کی آوازیں دوسری مصیبت کے وقت چہرے پیٹنے، گریبان چاک کرنے اور شیطانی انداز میں رونے کی

۳۰۔ بخاری: ج ۳، ص ۱۸

۳۱۔ سیرت ابن کثیر: ج ۴، ص ۶۱۱۔ شامی: ج ۱۱، ص ۲۱

۳۲۔ سیرت ابن کثیر: ج ۴، ص ۶۱۳۔ زرقانی: ج ۳، ص ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ شامی: ج ۱۱، ص ۲۳، ۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آواز۔(۳۳)

اور ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے نوحہ کرنے سے اور میت کی ایسی تعریف کرنے سے منع کیا ہے جس کی وہ حق دار نہ ہو، پھر فرمایا کہ یہ تو رحمت ہے اور جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔(۳۴)

اور ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا:

تدمع العین ویحزن القلب، ولا نقول ما یسخط الرب، لولا انه وعد صادق، وموعود جامع، وان الآخر منا یتبع الاول، لوجدنا علیک یا ابراهیم وجداً اشد مما وجدنا، وانا بک یا ابراهیم لمحزونون (۳۵)

آنکھیں روتی ہیں، اور دل غم گین ہے، لیکن ہم ایسی بات نہیں کہیں گے جو رب کی ناراضی کا باعث ہو۔ اگر اللہ کا وعدہ سچا نہ ہوتا، اور آخرت یک جائی کا باعث نہ ہوتی، تو ہم ابراہیم تمہاری وفات پر سخت رنج اور الم محسوس کرتے۔ لیکن ہم اے ابراہیم بہت غم گین ہیں۔

کس قدر جذباتی لمحہ تھا، سولہ سترہ ماہ کا بچہ، اس وقت آپ ﷺ کی واحد نرینہ اولاد آپ کی گود میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر رہی تھی، اور آپ کے صرف آنسو جاری تھے، اور آپ ﷺ صبر اور تسلیم و رضا کے پیکر بنے راضی بہ رضائے رب تھے۔

۱۳۔ آپ ﷺ کی ایک نواسی کی وفات کا واقعہ بھی سیرت کا حصہ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذباتی لمحات کا ایک مرحلہ چناں چہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نواسی قریب الوفات تھیں۔ آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے، اور ان کو گود میں اٹھالیا اور اپنے سامنے رکھ لیا۔ اسی حالت میں ان کی وفات ہوگئی۔ ام ایمنؓ جو آپ کی کنیز تھیں چلا کر رونے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نبی کے سامنے بھی رونا شروع کر دیا۔ (اس وقت آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے اس لئے) انہوں نے عرض کیا کہ آپ بھی تو رو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ رونا ممنوع نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن ہر حال میں خیر ہی میں رہتا ہے، حتیٰ کہ خود اس کی روح کو نکالا جاتا ہے، تب بھی وہ

۳۳۔ شامی: ۱۱، ص ۲۲

۳۴۔ شامی: ج ۱۱ ص ۲۳

© rasailojaraid.com

۳۵۔ ابن کثیر: السیرۃ النبویۃ: ج ۴، ص ۶۱۴

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ کی حمد ہی کرتا ہے۔(۳۶)

۱۴۔آپ ﷺ کے ایک اور صحابی اور قریبی ساتھی حضرت عثمان بن مطعون رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ بھی اسی کیفیت کی نشان دہی کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ عثمان بن مظعونؓ کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ ﷺ کے آنسو ٹپک رہے تھے۔(۳۷)

۱۵۔آپ ﷺ کی ایک صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا واقعۂ وفات بھی سیرت میں ملتا ہے، چناں چہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحب زادی (ام کلثومؓ) کی قبر پر تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے آنسو جاری تھے۔

۱۶۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ایک یہ واقعہ بھی سیرت کے اوراق میں ملتا ہے کہ آپ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لیے بھی تشریف لے گئے، چناں چہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ فتح کے موقع پر رسول اللہ ﷺ (ودّان میں) چند قبروں کی طرف تشریف لے گئے، قریبی قبر کے پاس پہنچ کر آپ بیٹھ گئے، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آپ کسی انسان سے باتیں کر رہے ہیں، اس وقت آپ ﷺ رو رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب عز وجل سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی، مجھے اجازت دی گئی۔(۳۸)

۱۷۔غزوۂ احزاب بھی حیات نبوی کا سخت ترین مرحلۂ آزمائش ہے۔ مسلمان سخت بے سروسامانی اور فقر وفاقے کے عالم میں مختلف جوانب سے ہزاروں کی تعداد میں چڑھ آنے والے دشمن سے مدینہ منورہ کو بچانے کے لیے شہر کے گرد خندق کھودتے ہے۔ اس مہم کی مشکلات اور سختیاں اپنی جگہ، مگر اس سختی کے عالم میں جب لڑائی کا مرحلہ سر پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام کو جو تلقین فرمارہے تھے، وہ نہایت سبق آموز ہے۔ چناں چہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اب تو ہمارے تو دل حلق تک آچکے ہیں، کیا کوئی ایسی چیز ہے جو ہم پڑھیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، یہ کہو:

اللّٰھم استر عوراتنا وآمن روعاتنا (۳۹)

۳۶۔شمائل ترمذی: رقم ۳۲۴

۳۷۔حیاۃ الصحابہ: ج ۳، ص ۶۵

۳۸۔ احمد: ج ۶، ص ۴۹۴، رقم: ۲۲۵۲۹۔ احمد: ج ۶، ص ۴۹۰، رقم ۲۲۵۰۸

۳۹۔احمد: ج ۳، ص ۳، رقم ۱۰۶۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اے اللہ ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے مامون فرما دے۔

کس قدر جامع دعا ہے، اور اس دعا کے ذریعے کس قدر عملی پیغام آپ ﷺ نے عطا فرمایا۔

اسی طرح ابونعیم کی روایت میں ہے کہ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھل جانے کے بعد لوگوں میں کھڑے ہوئے، اور خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:

لاتمنوا لقاء العدو واسئلوا اللہ العافیۃ فاذا لقیتموھم فاصبروا، واعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف، ثم قال اللھم منزل الکتاب، و مجری السحاب، وھازم الاحزاب، اھزمھم وانصرنا علیھم (۴۰)

اے لوگو! دشمن سے ملنے کی تمنا نہ کرو، اور اللہ سے عافیت مانگتے رہو، اور اگر دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور یاد رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر فرمایا: اے اللہ، کتاب نازل فرمانے والے، جلد حساب لینے والے، مخالف لشکروں کو پسپا کر دے۔ اے اللہ انہیں شکست دے دے اور ان پر ہماری مدد فرما۔

میدان عمل میں موجود ہونے کے باوجود، جب کہ دشمن لڑنے کا بھرپور جذبہ لے کر سروں پر مسلط ہے، اس بات کی نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تلقین فرما سکتے تھے کہ دشمن کی اور اس سے لڑائی کی تمنا مت کرو۔ کیوں کہ لڑائی تو ایک عارضی عمل ہے۔ کسی سبب سے وقتی طور پر پیش آتی ہے۔ اصل زندگی تو عافیت، امن و سالمیت کی زندگی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال ہی کرنا چاہیے۔

۱۸۔ سریہ موتہ بڑا اہم معرکہ ہے اور کئی حوالوں سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ ۸ ہجری میں آپ ﷺ نے اپنے ایک سفیر حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے غسان کے امیر شرحبیل غسانی کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا۔ یہ لشکر تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ اس لشکر کے امیر اول حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو ان کے بعد جعفر بن ابی طالبؓ لشکر کے امیر ہوں گے۔ اگر یہ بھی شہید ہو جائیں تو ان کے بعد عبداللہ بن ابی رواحہؓ لشکر کے امیر ہوں گے۔ اگر یہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر بنا لیں۔

جس روز موتہ میں میدان کارزار گرم تھا اس روز اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے میدان کارزار کو آپ کے سامنے کر دیا اور آپ کے اور شام کے درمیان تمام حجابات اٹھا دیئے۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو جمع کرانے کی منادی کرائی۔ جب سب جمع ہو گئے، تو آپ ممبر پر تشریف فرما ہوئے اس

۴۰۔ شامی: ج ۴، ص ۳۸۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت میدان کارزار آپ کی نظروں کے سامنے تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیدؓ نے علم لیا کافروں سے خوب قتال کیا اور شہید ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ جعفرؓ نے علم لیا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے خوب لڑے اور شہید ہو گئے۔ اور جنت میں فرشتوں کے ساتھ دو بازؤں سے اڑتے پھرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ابن رواحہؓ نے علم لیا اور کافروں سے خوب قتال کیا اور شہید ہو گئے۔ آپ یہ فرما رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (۴۱)

۱۹۔ یہ تمام واقعات جو ذکر ہوئے، کچھ تکلیف اور رنج والم کے ہیں، انسان محض ان ہی مواقع پر اعتدال، توازن نہیں کھوتا، بل کہ خوشی اور مسرت کے موقع پر بھی وہ حد اعتدال سے نکل جاتا ہے، وہ موقع اس لیے بھی زیادہ آزمائش کا ہوتا ہے کہ اس موقع پر عام طور پر انسان کو خدا بھول جاتا ہے، اسوۂ حسنہ میں ایسے مواقع بھی موجود ہیں اور آپ ﷺ کا عمل مبارک بھی۔ ہم صرف فتح مکہ کے بارے میں ایک دو روایات پیش کرتے ہیں، تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ایک مسلمان کے لیے خوشی اور مسرت کے موقع پر کیا ہدایات ہیں؟ اور ایسے مواقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہماری کس طرح رہ نمائی کرتا ہے۔

فتح مکہ ایک اہم ترین موقع ہے۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس سے بڑی فتح عہد نبوی کی تاریخ میں دوسری نہیں ہے۔ پھر اس کا پس منظر بھی عجیب ہے، انتہائی مشکل اور تکلیف دہ۔ دشمن کا علاقہ ہے، جس سے مسلمانوں کی لڑائی کی تاریخ بیس برس طویل ہے۔ ایسی دشمن اور حد درجے مخالف قوت پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکمل فتح پاتے ہیں، تو آپ ﷺ کا رویہ کیا ہوتا ہے؟ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہوئے۔

اس موقع پر حضرت سعد نے ابوسفیان کی موجودگی میں کہا کہ آج بیت اللہ میں بھی خون ریزی حلال ہو گئی، کیوں کہ آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل ورسوا کر دیا ہے۔ اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے تو ابوسفیان نے پکار کر کہا کہ یارسول اللہ! کیا آپ نے اپنی قوم کے قتل کا حکم دیا ہے؟ کیوں کہ سعد اور ان کے ساتھیوں نے ہمارے سامنے سے گزرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمیں قتل کریں گے اور دعویٰ کیا کہ آج کا دن جنگ اور خون ریزی کا ہے، آج حرم میں قتل وقتال حلال ہو گیا ہے اور اللہ نے قریش کو ذلیل وخوار کر دیا ہے۔ میں آپ کو آپ کی قوم کے لئے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ آپ سب سے زیادہ شریف انسان ہیں اور سب سے زیادہ رشتے داروں کی خبر گیری کرنے والے ہیں۔

ابوسفیان کی بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوسفیان! سعد نے غلط کہا۔ آج کا

۴۱۔ ابن سعد: ج ۲، ص ۹۱۔ واقدی: ج ۲، ص ۷۶۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دن رحم وہمدردی کا دن ہے۔ آج کے دن اللہ نے قریش کو عزت وسربلندی عطا فرمائی ہے۔ پھر آپ نے حضرت سعد کو بلایا اور جھنڈا ان سے لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا۔ (۴۲)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ اُحد میں چونسٹھ انصاری اور چھ مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے کہا اگر ہم نے کسی دن مشرکوں پر غلبہ پایا تو ہم ان سے بدلہ لے کر رہیں گے، جب مکہ فتح ہوا تو ایک غیر معروف آدمی نے کہا: آج کے بعد قریش نہیں ہوں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا: فلاں، فلاں کے سوا ہر کالے اور گورے کو امن حاصل ہے، آپ نے چند مجرموں کا نام لیا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ (۴۳)

اور اگر تم انہیں سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی، اور اگر تم صبر سے کام لو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لئے صبر بہت اچھا ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم صبر کریں گے، بدلہ نہیں لیں گے۔ (۴۴)

اور اس موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہو رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل کیا تھا؟ آپ کا رویہ کیا تھا؟ یہ امر بھی نہایت غور طلب ہے۔ راوی کہتا ہے:

وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیضع رأسہ تواضعاً للہ، حین رأی ما أکرمہ اللہ بہ من الفتح، حتی ان عثنونہ لیکاد یمس واسطۃ الرحل (۴۵)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب فتح کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا انعام واکرام ملاحظہ کرلیا تو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر (مکے میں داخل ہوتے ہوئے) عاجزی وانکساری سے جھک گیا۔ حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھی اور چہرۂ انور کجاوے سے مل رہا تھا۔

۲۰۔ کسی بھی عزیز کی آمد اور اس سے عرصے بعد ملاقات خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ حضرت جعفرؓ ان لوگوں میں شامل ہیں جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت جعفرؓ دوسرے صحابہ کے ہمراہ جب خیبر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی مسرور ہوئے۔ آپ نے

۴۲۔ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ: ج ۴، ص ۳۱۴

۴۳۔ النحل: ۱۲۶

۴۴۔ احمد: ج ۶، ص ۱۶۲، رقم ۲۱۲۰۷

۴۵۔ سیرت ابن کثیر: ج ۳، ص ۵۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مسرت کا اظہار بھی فرمایا۔ چناں چہ حضرت ابو موسیٰؓ نے فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ خیبر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر بوسہ دیا اور آپ نے حضرت جعفرؓ سے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے خیبر کی فتح سے زیادہ خوشی ہوئی یا تمہارے آنے سے پھر آپ نے حضرت جعفرؓ کے ساتھیوں سے فرمایا کہ تمہارے لئے دو ہجرتیں ہیں (یعنی دو ہجرتوں کا ثواب ہے، ایک مکے سے ترک وطن کر کے حبشہ کو جانا اور دوسرے حبشہ سے مدینے آنا۔(۴۶)

دیکھیے اپنے انتہائی قریبی عزیز حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسرت کا اظہار بھی فرمایا اور اس انداز سے فرمایا کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی اور عظیم الشان فتح کے ساتھ خوشی اور مسرت میں اس کا موازنہ فرمایا۔

اختتام

انسانی مزاج بڑا تنوع رکھتا ہے۔ خوشی اور غم کے بہت سے رجحانات اس کی زندگی کا حصہ ہیں۔ انسان ان رجحانات سے نہ جان چھڑا سکتا ہے، نہ ایسا کرنا مطلوب ہی ہے، کیوں کہ یہ تمام باتیں انسانی فطرت کا حصہ ہیں، ان رجحانات کو مشقت اور بڑی کوشش کے بعد اگر ختم کر دیا جائے تو یہ انسانی فطرت کو مسخ کرنے کے مترادف ہوگا۔ انسان کا کمال یہ نہیں ہے کہ وہ فطری جذبات، فطری تقاضوں اور فطری رجحانات کو پامال کر ڈالے، یا کچل کر رکھ دے، بل کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ ان جذبات کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اپنے مزاج میں توازن رکھے، اور ہمہ وقت شریعت کا حکم اس کے سامنے رہے۔ وہ حکم جو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہمارے سامنے منقح صورت میں موجود ہے۔

جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ایک کمال یہ ہے کہ ہر مرحلے میں مزاج اور طبیعت پر آپ کی گرفت مکمل طور پر برقرار رہتی تھی۔ رونا، ہنسنا، مسکرانا، خوش طبعی کی گفت گو سننا اور خود کرنا، اپنے غم اور تکلیف کا اظہار اور دوسروں کے غم و آلام میں شرکت سب کیفیتیں سیرت طیبہ میں موجود ہیں۔ اس لیے آج ہمارے لیے ان تمام کیفیتوں کو سمجھنا اور ان کے حوالے سے شرعی احکام اور مطلوب رویے کو جاننا بہ سہولت ممکن ہو گیا ہے۔

ہمارے ہاں جذبات کے حوالے سے بھی افراط و تفریط کا عالم ہے، کہیں تو مصنوعی خشونت، درشتی اور متکلفانہ رکھ رکھاؤ کو ہی وقار کی علامت سمجھا جاتا ہے، تو کہیں بات بے بات قہقہے بکھیرنا ہی انسانیت، اور

۴۶۔ بخاری: ج ۲، ص ۵۰۸، رقم ۳۸۷۶۔ شامی: ج ۵، ص ۱۳۶۔ زرقانی: ج ۳، ص ۲۹۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخصیت کی معراج ہے۔ وقار ایسی چیز نہیں ہے، جس کے لیے انسان کو تکلف سے کام لینا پڑے، اور نہ مزاج انسانی کا انحصار تکلف اور تصنع پر رکھنا ہی اسلام کا مزاج ہو سکتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سادگی اور بے تکلفی کی تلقین فرمائی ہے۔ یہ سادگی کسی خاص صفت میں مطلوب نہیں ہے، بل کہ یہ پورے انسانی مزاج کی سادگی ہے، اور یہی مطلوب ہے۔ انسان کی جس صفت سے دوسروں کو سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے، وہ گفت گو اور باہمی میل ملاپ کے وقت انسان کا رکھ رکھاؤ ہے۔ یہ تمام امور سادگی چاہتے ہیں۔ جذباتی لمحات میں سادگی کا تقاضا یہ ہے کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے انسان خوش، مسرت اور رنج وغم سب کا اظہار کرے۔ جس طرح اپنی طبیعت پر جبر کرتے ہوئے اظہار مسرت سے اپنے آپ کو روکنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے، اس طرح دکھ اور تکلیف کے اظہار میں فطرتِ انسانی کے مطابق بخل سے کام نہ لینا بھی شرعی طور پر ممنوع نہیں۔ انسان غم کے وقت رو سکتا ہے، خوشی کے وقت مسکرا سکتا ہے، دوسروں کے ساتھ خوش طبعی کے ساتھ پیش آسکتا ہے، دوسروں کے غم اور خوشی میں شرکت کے وقت ان کے جذبات سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کر سکتا ہے۔ یہی اسوۂ حسنہ ہے، یہی پیغام سیرت ہے، یہی اچھی شخصیت کا تعارف اور مثالی مسلمان کی پہچان ہے۔

© rasailojaraid.com